عابد رضا بیدار

رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز

۱۸۰۶، کلاں محل، دہلی-۶

عابد رضا بیدار

انتخابِ کلام

رام پور کے شاعروں کے انتخابی سلسلہ کی پانچویں پیشکش

۱۹۶۹ء

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۶)

پیشگفتار

۱۹۴۵ء کے قریب کلام موزوں اور ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ شاعری شروع کی۔ اس زمانہ کی دو تین اُستادانہ غزلوں میں ایک "نام سے ربط" "دشنام سے ربط" ردیف قافیہ کے ساتھ اب تک یاد ہے۔ ایک طرحی غزل کا مقطع یاد آرہا ہے:

نہ جانے کس نے یہ عابد کو کردیا بیدار
چلا ہے جیسے ہو شاعر غزل سنانے کو

ایک اور غزل کا ایک عاشقانہ، شعر (بچارہ بجائے بے چارہ، بڑا اُستاد ہونے کی غمازی کر رہا ہے) ایک عزیز نے ابھی چند روز ہوئے دہرایا:

محبتوں کی کشاکش، مصیبتوں کا ہجوم
ترا مریض بچارہ بڑے عذاب میں ہے

ایک سیاسی قسم کا شعر لگ بھگ اسی زمانہ کا ہے:

تھکیں سمائی کہاں ساقی و بہار کے ساتھ
جنوں کی لاج بھی رکھی تو ہم غریبوں نے

غرض سال میں آٹھ دس غزلوں کی اوسط سے شاعری چلتی رہی۔ احمد کاوش، لارنس، معراج، رشید، اکبر اور بھائی محمود رضا خاں کا ساتھ تھا۔ شاعر کو داد بھی ملتی رہی اور اصلاح بھی۔ پھر علی گڑھ میں میکڈانل شور اور ہنگاموں کا گڑھ بنا رہا۔ اکبر، اعجاز، باقر عثمانی، ظہیر عابد، اسد غازی —— اب تو سب بکھر گئے۔ میکڈانل اس وقت کتنا عزیز تھا اور اس کی یاد اب بھی ہم سب کے لئے کتنی قیمتی ہے، اس کا اندازہ شاید کوئی اور نہ کر سکے۔ میکڈانل کو چھوڑتے وقت سب پہ کیا گذری، وہ لوگ جانیں، میرا تو دل بیٹھا جا رہا تھا۔ جگہوں سے بھی کیسی وابستگی ہو جاتی ہے! اس دن میں نے جو نظم کہی:

"میکڈانل تری رونق ترے انداز چلے"

اپنے کچے پن کے باوجود مجھے اب بھی عزیز ہے۔

ادھر کئی سال سے ذہن میں ایک بات بیٹھ گئی ہے کہ کوئی بات شعر میں کہی جائے تو اس سے سماجی شعور کے ارتفاع میں مدد ملے، یا ایسی انجانی مسرت ہو یا خلش یا کسک —— جو اول الذکر کا بدل بن سکے تو وہ شعر ضرور کہے جانے کے لائق ہے، ورنہ بن کہا یا بن لکھا ہی بہتر ہے۔ دوسروں کے لئے بھی یہی سوچتا ہوں، اور اس سے زیادہ اپنے لئے۔ شعر گفتن چہ ضرور! حکیم کا نسخہ ہو تو دوسری بات ہے!!

تیس سال — ایک خود نوشت

میرا پہلا معلّم، میرا پیارا باپ
گونج اُٹھی اس کے قدموں کی بھاری چاپ
گونج کو لے کر وقت کے سائے پھیل گئے

میرا پہلا معلّم، میرا پیارا باپ
لرز اُٹھی اس کے قدموں کی مدھم چاپ
مدھم چاپ پہ شاید سائے ٹھہر گئے

کس نے ایسا چاہا جو میں چاہوں گا

(اپنا چاہا کب ہوتا ہے یارو)

میں تو جب بھی چاہوں بس یہ چاہوں گا
لرز اُٹھی ہے قدموں کی جو مدھم چاپ
میرے دل کا درد مرے افکار کا گیت
میرے کانوں کی موسیقی بنی رہے
میرے دل کا درد مرے افکار کا گیت!
کوئی بدل دے کاش مری دنیا کی ریت!!

لرز اُٹھی ہے قدموں کی جو مدھم چاپ
اس کو بھی ڈس لے گا آخر وقت کا سانپ

سات برس کی آٹھ برس کی عمر ہی کیا!
لیکن دل پہ نقش ہے اب تک ساری بات
کتنی وحشت خیز یہ کتنی کاری بات
میرے پہلے معلّم کی دودھاری بات
کبھی نہیں ہے وقت کے پہیے کو ٹھہراؤ
کس کے روکے رُکا ہے اس دریا کا بہاؤ

۷

لمحہ فانی بھی، لمحہ ہی ابد قرار
لمحہ میں دُنیا، لمحہ کا سب بیوپار
آج ہمیشہ کل میں ڈھلتا جاتا ہے
مجھے، تمھیں، یہ وقت بدلتا جاتا ہے
ہر فانی لمحہ کو ابد بناتے جاؤ
دُنیا کو سمجھو، پر تو ٹھکراتے جاؤ

آج کی محفل کل کا مدفن ہونا ہے
جو کچھ پایا آج وہ کل کو ہونا ہے
وقت خدا ہے وقت سے غفلت ٹھیک نہیں!

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت

نہ میرا رونا، نہ میرا ہنسنا، نہ سوچ سکنا نہ بات کرنا
مرا تو کچھ بھی نہیں رہا ہے، کوئی سلیقہ، کوئی قرینہ
خزاں کا ڈر ہے نہ پہلا جیسا، نہ کوئی لطفِ بہار اپنا
نہ اب وہ پہلے کے بے کراں خواب ہیں، نہ خوابوں کا روٹھ جانا

عجب طرح زندگی کے لمحات زندگی کو کچل رہے ہیں
گندھا ہوا ایک دوسرے سے لپیٹ میں تیسرے کو لینا
نہ سانس لینے کی کوئی فرصت، نہ بات کہنے کی کوئی مہلت
نہ تاب نظارہ جہاں ہے، نہ اپنا مرنا نہ اپنا جینا

کہاں ہے تو، دل پکارتا ہے، پکارتا ہے، پکارتا ہے
پکارتا ہے کہ بازگشتِ صداؤں کا ہی فریب کھائے
مگر یہ کتنے دلوں کی، کتنی صداؤں کا مستقل دفینہ!
مگر یہ گنبد، یہ گنبدِ ماہ و سال، دن رات کا سفینہ!

○

اہلِ دل دورِ خرد ختم ہوا کھُل کے کہو
سُننے والے اب اشارات سے گھبراتے ہیں

(۱۹۵۱ء)

○

شبِ غم کی یہ سیاہی ابھی اور کچھ نکھر لے
شبِ غم کبھی ملے گی، مجھے یہ اُمید کم ہے

(۱۹۵۲ء)

اپنی حد تک تو جو کچھ ہم سے بن آیا وہ کیا
دوست، پر تو نے وفاؤں کا صلہ خوب دیا

(۱۹۵۴)

سارا ماضئ مرحوم جیسے ہنس رہا ہو آج
اک تو ہی نہیں اے دوست مجھ پہ خندہ زن تنہا
کچھ خلوص کچھ جذبہ کچھ یقیں ضروری ہے
کتنے تاج بن پائے سنگ و خشت و فن تنہا

راہزن بھی رہرو تھا، رہنما بھی ہو شاید
کاش تم نہ کہہ اٹھتے اس کو راہزن تنہا
اعتماد سے پہلے اعتماد ہوتا ہے
دیر تک نہیں چلتا ایک حسنِ ظن تنہا

(۱۹۵۵ء)

○

کرم اور کرم نمائی میں کچھ امتیاز ہو لے
تجھے چھوڑنا پڑا ہے، مجھے خود بھی اس کا غم ہے

(۱۹۵۶ء)

○

پھر وہی شب کی ظلمتوں کے امیں
گلۂ شبِ دراز کر بیٹھے

(۱۹۵۷ء)

○

ہر راہ رو کو تکتے ہیں کن حسرتوں کے ساتھ
کتنے اُداس ہیں مری منزل کے راستے

○

تُو نے بخشی مجھے بے نام تمنّا کی خلش
دل تجھے کھو کے بھی ناشاد نہ ہو پایا کبھی

(۱۹۵۸ء)

کتنی حسرت ہے کہ دل حسبِ تمنا اب تک
کوچۂ یار میں برباد نہ ہو پایا کبھی

(۱۹۵۹ء)

تمہاری چشمِ کرم کا بڑا سہارا تھا
اس اِک سہارے سے ہم دُور تک نکل جاتے
سفر نصیب کا تھوڑا سا ساتھ دے دیتے
تو اس کی زیست کے عنوان تک بدل جاتے

اور اب تو یادوں کی پرچھائیاں بھی پاس نہیں
کہ ہم بہکتے بہکتے بھی کچھ سنبھل جاتے
تمہارے ذکر سے لوگوں کے دل بہلتے ہیں
ہم اپنی بات سناتے تو دل پگھل جاتے

(۱۹۵۹ء)

○

تم اپنے منہ سے محبت کا لفظ مت بولو
جو سن لیا تو کوئی اعتبار کرے گا

(۱۹۶۰ء)

○

تمہارے منہ سے محبت کا لفظ ہائے نصیب
اور اس کو سن کے کوئی اعتبار کرے تو!

(۱۹۶۳ء)

دِل مالک کا مندر ہے، دل مالک کی سوغات

جنم لیے یہ، میری تیری، اُسکی، سب اِک جات

ڈوب ڈوب کر سورج اُبھرا، دن سے نکلی رات

کون بُرا نا کوئی اچھا! سمے سمے کی بات!!

(۱۹۶۴ء)